سمیرا انجم
لیکچرار اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین
دائرہ دین پناہ، ضلع مظفر گڑھ

دیوان نصرتی کی تدوین از ڈاکٹر جمیل جالبی: ایک تنقیدی و تحقیقی مطالعہ

Dr. Jamil Jalbi is a well-known historiographer,critic,linguist,translator and editor. He has written history of Urdu literature in four volumes.These volumes have got immense praise from critics.Dr. Jamil Jalbi has compiled very first Mathnavi of Urdu literature (Kadam Rao PadamRao) for which he got his D. Lit degree.His work of translation of western poets and criticsalso received great admiration from critics.Apart from these services he has also worked for Urdu language and has compiled dictionaries of Urdu. Dr. Jamil Jalbi has editted Dewan e Nusrati and Dewan e Hasan Shoqi.Editing of Dewan e Nusrati is a great contribution towards Urdu language and literature.Dr.Jalbi has edited this dewan according to the standard method of editing and has brought out some new facts about life and literary contribution of Nusrati.He has also studied the language of that time very closely.Because of this contribution he has done great service to protect and promote old Urdu literature.

تدوینِ متن کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی کا اہم کارنامہ دیوانِ نصرتی کی ترتیب و تدوین ہے۔ جو کہ دیوانِ حسن شوقی کی اشاعت کے دوسرے سال ۱۹۷۲ء میں مطبع قوسین لاہور سے شائع ہوئی ۔دیوانِ نصرتی کی اس اشاعت سے قبل اسے سہ ماہی صحیفہ لاہور میں ۱۹۷۲ء میں شائع کیا گیا۔نصرتی کے اس دیوان میں ۲۳ غزلیں ، ۲۸ رباعیاں ، تین قطعے ، ۲ مخمس، ایک ہجو ، ۵۵۰ کی ایک مثنوی (تاریخ سکندری) اور ایک نعتیہ قصیدہ 'چرخیات نصرتی' شامل ہیں۔قصیدے میں ۱۳۳ اشعار ہیں ان کے علاوہ 'ایک گھوڑا مانگنے کی درخواست' اور ایک مختصر قصیدہ اور بھی ہے ۔نعتیہ قصیدہ کا تعلق واقعہء معراج سے ہے، دیوان کے اختتام پر ایک فرہنگ دی گئی ہے۔ دیوان نصرتی سے قبل نصرتی کا کچھ کلام شائع ہو چکا تھا۔مولوی عبدالحق نے نصرتی کی دو مثنویوں، گلشنِ عشق، علی نامہ اور تاریخِ سکندری کو 'نصرتی' کے عنوان سے ۱۹۴۴ء میں انجمن ترقی ءاردو سے شائع کرادیا۔حکیم شمس اللہ قادری نے اردوئے قدیم میں نصرتی کا

مختصر تعارف ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔''نصرتی کی تصنیفات میں تین مثنویاں ہیں۔ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے۔مثنویوں کے نام یہ ہیں۔۱۔علی نامہ۲۔گلشنِ عشق۳۔گلدستہ ءعشق۔یہ تینوں کتابیں سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔''[۱]

ڈاکٹر جمیل جالبی اور مولوی عبدالحق کے مطابق تیسری تصنیف گلدستہ ءعشق کی بجائے مثنوی ''تاریخ سکندری'' یا فتح نامہ بہلول خان ہیں۔بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:''ملانصرتی، (۱۰۸۵ھ) کی تین تصانیف یادگار ہیں۔ایک گلشنِ عشق (۱۰۶۸ھ) دوسری علی نامہ (۱۰۷۶ھ) اور تیسری ''دیوانِ نصرتی''، جس میں تاریخِ سکندری یعنی فتح نامہ بہلول (۱۰۸۳ھ) شامل ہیں۔''[۲]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے نصرتی کے کلام کو جن بیاضوں کی مدد سے ترتیب دیا ہے ان کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے جبکہ اصل بیاضیں قومی عجائب گھر کا حصہ ہیں دیوانِ نصرتی کے مقدمے میں نصرتی کے حوالے سے اہم باتوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔مولوی عبدالحق نے نصرتی کی دو مثنویوں 'گلشنِ عشق'' اور 'علی نامہ' کا تعارف کروایا ہے اور مختصراً ان کے قصے پر روشنی ڈالی ہے۔نصرتی کی سوانح بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نصرتی کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا ہے۔'دیوانِ نصرتی' میں شامل مثنوی 'تاریخِ سکندری' کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلی بار شائع کی جارہی ہے جبکہ مولوی عبدالحق اس مثنوی کو پہلے شائع کر چکے ہیں۔فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر جالبی نے مکمل مثنوی کو عنوانات کے ساتھ شائع کیا ہے۔اس طرح دیوانِ نصرتی میں نصرتی کی ۲۸ رباعیات شامل ہیں۔جبکہ مولوی عبدالحق نے نصرتی کی ۹ رباعیات ''نصرتی''میں شائع کی تھیں۔۷ رباعیات دونوں کتابوں میں مشترک ہیں، جبکہ دو رباعیات ایسی ہیں جو 'دیوان نصرتی' کا حصہ نہیں ہیں۔'دیوان نصرتی' میں نصرتی کی سوانح کے حوالے سے جن امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ ڈاکٹر جالبی کی تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے کیونکہ نصرتی کی سوانح کے بارے میں کسی بیاض اور تذکرے میں معلومات درج نہیں ہیں۔ڈاکٹر جالبی نے داخلی شواہد کی بنیاد پر نصرتی کی سوانح مرتب کی ہے۔نصرتی کے نام کے حوالے سے مولوی عبدالحق کا مؤقف تھا کہ

> تخلص کی مناسبت سے محمد نصرت نام ہونا قرینِ قیاس تو ہے مگر یقینی نہیں۔۔۔۔'[۳]

حکیم شمس اللہ قادری کے مطابق،''نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے''[۴]

جبکہ ڈاکٹر جالبی کی تحقیق کے مطابق: ''جہاں نصرتی نے بنی ابن عبدالصمد کی زبان سے چند اشعار کہلوائے ہیں وہاں یہ شعر ملتا ہے:

؎ دکھن میں توں آج نصرت قریں
بلند شعر کی فن میں سحر آفریں

اس شعر سے بھی نصرتی کا نام ''محمد نصرت'' ہونے کی تصدیق ہوتی ہے''۔[۵]

اس شعر میں نصرتی کا نام ''نصرت'' آیا ہے جبکہ مدوّن نے شاید مسلمان ہونے کی بنا پر ''محمد نصرت'' کر دیا ہے۔نصرتی کے مذہب کے حوالے سے بھی مختلف آراء پائی جاتی تھیں مثلاً گارساں دتاسی نے اسے برہمن بتایا جبکہ مولوی عبدالحق اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ان کے مطابق:

'' گارساں دتاسی نے ''گلشنِ عشق'' کے ایک قلمی نسخے کی سند پر جو کانجی ورم میں لکھا گیا تھا اسے برہمن بتایا۔بعد کے بعض تذکرہ نویسوں نے بھی گارساں دتاسی کے اسی بیان کی بنیاد پر اسے برہمن لکھ دیا۔۔۔خود نصرتی نے اپنے متعلق ''گلشنِ عشق'' میں ایک آدھ جگہ جو سرسری سا ذکر کیا ہے اس سے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔۔۔

بحمداللہ کرسی بہ کرسی میری
چلی آتی ہے بندگی میں تیری ''[۶]

ڈاکٹر جالبی، مولوی عبدالحق کی تحقیق کو درست تسلیم کرتے ہیں، نصرتی کے آبائی پیشے کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی لکھتے ہیں:

''گلشن عشق'' سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نصرتی کے آباؤ اجداد پیشہ ور سپاہی تھے۔

کہ میں اصل میں ایک سپاہی اتھا
فدا درگہ بادشاہی اتھا
کہ تھا مجھ پیدر سر شجاعت مآب
قدیم یک سلحدار جمع رکاب

وہ اس خاندان کا پہلا شخص تھا جس نے پیشہء سپاہ گری چھوڑ کر شاعری اختیار کی۔ ؎

نصرتی کے کلام سے ڈاکٹر جالبی نے اس بات کا سراغ بھی لگایا ہے کہ نصرتی دکن کا رہنے والا نہیں تھا۔

؎ دکھن کے شاعراں کی میں روش پر شعر بولیا نئیں
ہوا کیا سب گزر گئے یو دیکھو حاضر وو دفتر ہے

اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ نصرتی کہیں اور کا رہنے والا تھا اس کے اشعار سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ علی عادل شاہ ثانی کے بلانے پر ان کے دربار کا حصہ بنا؛

؎ میرا شہ جو بوجک رہے جوہری
وہ شہزادگی میں اتھا مشتری
بلا بھیج بندے کو اس حال میں
نظر کر مرے بے بہا مال میں
پرکھتا چلیا یو رتن سر بسر
تھکے دیکھ پا رکھ یو اہلِ نظر
وہیں جگ میں بندہ رہنے بے نیاز
رکھیا اپنی خدمت میں کر سرفراز

ڈاکٹر جالبی نے نصرتی کے کلام سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ نصرتی کو اہل دکن سے جان کا خطرہ تھا۔ نصرتی کی وفات پر لکھے گئے قطعہء تاریخ سے جالبی صاحب نے نہ صرف ان کی تاریخ وفات کا تعین کیا ہے بلکہ ان کی طبعی موت کے بجائے ان کے قتل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کے مطابق:

''تذکرہ شعراء دکن'' میں عبدالجبار ملکاپوری نے نصرتی کا سال وفات ۱۰۹۵ھ لکھا ہے۔ ''اردو مخطوطات'' کتب خانہ سالار جنگ میں نصیرالدین ہاشمی مرحوم نے یہ قطعہ تاریخ وفات دیا ہے:

؎ ضرب شمشیر سوں یو دنیا چھوڑ
جا کے جنت میں خوش ہو رہے؟

سال تاریخ آ ملایک نے
یوں کہی ''نصرتی شہید اہے''

نصرتی شہیدا ہے سے ۱۰۸۵ھ برآمد ہوتا ہے''۔ [۸]

ڈاکٹر جالبی نے مقدمے میں ''اردو شہہ پارے''[۹] میں درج نصرتی کی تاریخِ وفات سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے مطابق تاریخ اسکندری کا سن تالیف ۱۰۸۱ھ ہے جبکہ 'اردو شہہ پارے' میں تاریخ وفات ۱۰۸۱ھ درج ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ تاریخ اسکندری لکھتے وقت نصرتی زندہ تھا۔ نصرتی کی قبر کے بارے میں وہ مولوی عبدالحق کی تحقیق سے متفق ہیں اور مولوی عبدالحق کے حوالے سے لکھتے ہیں؛

''بیجاپور میں نصرتی کی قبر آج بھی موجود ہے''۔ [۱۰]

ڈاکٹر جالبی نے مقدمے میں نصرتی کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا ہے اور ان کا تاریخی پس منظر بیان کیا ہے۔ ''گلشن عشق'' کو نصرتی کی پہلی مثنوی قرار دیتے ہیں جو علی عادل شاہ کے دور میں لکھی گئی۔ اس میں نصرتی نے 'منوہر و مدمالتی' کی داستانِ عشق کو بیان کیا ہے۔ نصرتی کی یہ مثنوی اگرچہ طبع زاد نہیں ہے لیکن بقول جالبی

''نصرتی نے اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ اس قصے کے مرکزی کرداروں کے ساتھ ساتھ چنپاوتی اور چندرسین کی داستانِ عشق کو سلیقے سے شامل کر کے دوآتشہ بنا دیا ہے''۔ [۱۱]

''گلشن عشق' کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی کا مؤقف ہے کہ نصرتی نے فارسی روایت کی پیروی میں قصّہ نگاری پر زور دینے کی بجائے جزئیات نگاری اور فضا بنانے پر زیادہ زور دیا ہے۔ گویا ''گلشنِ عشق'' بیجاپور کی پہلی مثنوی ہے جو گولکنڈہ کے اسلوب اور مزاج کے قریب ہے۔ نصرتی کی اگلی مثنوی ''علی نامہ'' ہے جو بقول جالبی'' علی نامہ قاضی کریم اللہ اور شاہ نوراللہ کی فرمائش پر لکھا۔ ''علی نامہ'' علی عادل شاہ کی حکمرانی کے ابتدائی دس سالوں کی جنگوں، فتوحات، سیاسی واقعات اور معرکوں پر مشتمل ہے۔ علی نامہ ایک رزمیہ مثنوی ہے جس میں اپنے دور کی معاشرت اور سیاست کی عکاسی بہت خوبی سے کی گئی ہے۔ ''علی نامہ'' کو اردو کی قدیم رزمیہ پر فوقیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے جمیل جالبی صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے

''خاور نامہء رستمی میں حضرت علیؑ مرکزی کردار کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان کے سارے کارنامے خیالی ہیں۔ 'علی نامہ' نہ صرف صحیح تاریخی واقعات پر مبنی ہے بلکہ نصرتی کا ممدوح علی

عادل شاہ ایک زندہ وحقیقی شخصیت ہے۔'علی نامہ' میں مغلوں کی ان جنگی غلطیوں اورشکستوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر شمال ہند کی کسی تاریخ میں نہیں ملتا''۔[۱۲]

تاریخ اسکندری جسے پہلی دفعہ ''دیوان نصرتی'' میں شائع کیا گیا،کو جالبی صاحب نصرتی کے آخری دور کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔مثنوی کی ابتداء میں اس کے نام اور سالِ تصنیف دونوں کو بیان کر دیا ہے۔

؎ کہن ہاریو تاریخ اسکندری
لگے جس کی گفتار یوں سرسری
سہس ہو راسی پر جو تھے تین سال
کرے یک میں ،برسب زمانے نے حال

اس مثنوی میں نصرتی نے اس دوروزہ جنگ کو موضوع بنایا ہے جو کہ علی عادل شاہ ثانی کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سکندر عادل شاہ کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد سیواجی سے لڑی گئی۔اس مثنوی کو نصرتی نے چھ عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔''اسکندر نامہ''میں بھی وہی شاعرانہ خوبیاں موجود ہیں جو''علی نامہ'' کا خاصہ ہیں جبکہ مولوی عبدالحق نے 'گلشنِ عشق اور علی نامہ' سے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''یہاں نصرتی کے کلام میں وہ زور اور شگفتگی نہیں ہے جو اوّل الذکر مثنویوں میں ملتا ہے''۔[۱۳]

ڈاکٹر جمیل جالبی اس موازنے کو غیر منطقی قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں:

''علی نامہ'' علی عادل شاہ کے ہنگامہ پرور دس سالہ دور کی بڑی مہمات کی تاریخ ہے اور'' تاریخ اسکندری'' صرف دوروزہ جنگ کی داستان ہے''۔[۱۴]

ڈاکٹر جمیل جالبی کا مؤقف درست ہے کیونکہ دونوں مثنویوں کی نوعیت اور واقعات میں بہت اختلافات پایا جاتا ہے لہذا ''اسکندر نامہ'' میں وہ شان وشوکت نہیں پائی جاتی جو''علی نامہ'' کا خاصا ہے جبکہ نصرتی کے کلام کی خاص خوبی یعنی زورِ کلام اور شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہے۔

؎ کئے حکم سب پر کہ اب بس کرو
چکاٹیاں پہ ظاہر نکو کس کرو

بھلے مرد کا مرد پر وار ہے
نگوڑیاں کو چپ دیکھنا عار ہے
کدھیں پھر کہ مردے پکڑ آئیں گے
کریں گے سو اپنا سزا پائیں گے
یہی بات کر شکر حق لیا بجا
کھڑا رن پہ رہ شادیانے بجا

'تاریخ اسکندری' کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی کا دعویٰ ہے کہ

''لطف کی شیرینی، تخیل کی پرواز اور چند لفظوں کے دفتر بیان کر دینا نصرتی کی شاعری کی وہ خصوصیات ہیں جو ہمیں اس طور پر بہت کم شعراء کے ہاں نظر آتی ہیں''۔(۱۵)

'دیوانِ نصرتی' میں نصرتی کے قصائد بھی شامل کئے گئے ہیں۔ ان کی تعداد کے حوالے سے جمیل جالبی صاحب لکھتے ہیں:

''علی نامہ'' میں نصرتی کے سات قصیدے ملتے ہیں، 'گلشن عشق' اور 'علی نامہ' کے عنوانات مل کر دو قصیدے اور بن جاتے ہیں۔ اگر ہجوِ سخنور، مدح علی عادل شاہ، قصیدہ گھوڑا مانگنے کی درخواست پر، قصیدۂ چرخیہ کو شامل کر لیا جائے تو اس طرح نصرتی کے کل قصائد کی تعداد تیرہ ہو جاتی ہے''۔[۱۶]

جبکہ مولوی عبدالحق کی تحقیق کے مطابق نصرتی کے کل بارہ قصائد دریافت ہوئے ہیں۔ مقدمے میں ڈاکٹر جالبی نے نصرتی کی قصیدہ گوئی پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی لیکن ''دیوانِ نصرتی'' میں شامل قصائد کے حوالے سے وہ نصرتی کو اردو کا بڑا قصیدہ گو شاعر تسلیم کرتے ہیں اور ''علی نامہ'' کے آخری قصیدہ ''فتح ملناڑ'' کو بیان کی رچاوٹ، شوکت الفاظ، قدرتِ بیان اور ترتیب کے حوالے سے نصرتی کا شاہکار تصور کرتے ہیں۔ دیوان نصرتی میں شامل قصیدہ ''قصیدۂ چرخیہ'' اس حوالے سے اہم ہے کہ اس میں تمام تر الفاظ اور اصطلاحات چرخ کے حوالے سے لائی گئی ہیں۔

؎ رین کی تس چرخ پر نجم عجائب دسیا
تھا جو دبیر فلک راقم سال و قرن
فن میں دبیری کے تئیں بدسوں اور روشن ضمیر
جیب پہ از بر دھریں علم کی بھاکے چھنن
دفتر سبع سما ملک جسے ہے شہاب
سرخ شفق شنجرف دودہ رین کا انجن

قصیدہ گوئی میں نصرتی کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی لکھتے ہیں: ''بحیثیت مجموعی اردو قصائد کے ذکر میں جہاں ہم سوداؔ اور ذوقؔ کا اب تک نام لیتے آئے ہیں وہاں ہمیں دورِ قدیم اور قبل ولیؔ کے مولانا نصرتیؔ کا نام ان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ان دونوں سے پہلے لینا چاہیئے''۔[۱۷]

'دیوانِ نصرتی' میں شامل قصیدہ 'گھوڑا مانگنے کی درخواست' ہمیں اس عہد کے رویے کی یاد دلاتا ہے جس کے مطابق بادشاہ وقت سے مراعات کے حصول کے لئے شعراء قصیدہ گوئی کیا کرتے تھے۔ گویا دیوانِ نصرتی نہ صرف قدیم اردو کے شاعرانہ مزاج سے واقفیت کا ایک ذریعہ ہے بلکہ اس عہد کی معاشرت کا عکاس بھی ہے۔ نصرتیؔ کا یہ قصیدہ ۱۸ اشعار پر مشتمل ہے اور قصیدہ گوئی کا روائتی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس میں ممدوح کی حمد کے بعد مطلوبہ چیز طلب کرتے ہوئے ممدوح کے لئے دعا کی جاتی ہے۔

دیوانِ نصرتی کے مقدمے میں ڈاکٹر جالبی نے نصرتیؔ کی غزلیات کے حوالے سے اس کے تصورِ عشق پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ نصرتیؔ کے تصورِ عشق کو فاسقانہ قرار دیتے ہیں اور اس کی غزلوں کو تخیل، جذبہ اور معنی آفرینی کے لحاظ سے کمتر قرار دیتے ہیں۔ افسر صدیق امروہی، ڈاکٹر جمیل جالبی کے اس نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اول تو اردو شاعری کے اس ابتدائی دور میں جب نصرتی فکرِ سخن میں مصروف تھا اور شاعری پر ہندی شاعری کا پرتو زیادہ تھا اس لئے معنی آفرینی کی کمی شکایت مناسب نہیں، یہ خوبی تو شاعری کی کئی منزلیں طے کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح آبرو، ناجی اور حاتم کے زمانے میں غالب کی سی معنی آفرینی تلاش کرنا بے سود ہے۔ اسی طرح نصرتی کے عاشقانہ کلام میں ولیؔ اور

سراجؔ کے زمانے کا تخیل بھی تلاش کرنا مناسب نہیں''۔[۱۸]

افسر صدیق امروہی ڈاکٹر جالبی کے مقدمے میں نصرتی کی شاعری کی چند خصوصیات کا ذکر نہ کرنے کا بھی حوالہ دیتے ہیں بقول افسر صدیق امروہی :''نصرتی نے صنائع و بدائع سے بھی اغماض نہیں برتا۔ جابجا اس کی مثالیں موجود ہیں اسے ان صنائع میں تضاد، مراعات النظیر اور تجنیس زیادہ مرغوب تھیں''۔[۱۹] اس حوالے سے افسر صدیق نے اپنے مضمون میں مثالیں بھی پیش کی ہیں ۔ دیوان نصرتی میں ۲۸ رباعیاں شامل ہیں ۔نصرتی کی رباعیوں کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:''نصرتیؔ کی رباعیوں میں کچھ حمد ونعت میں ہیں اور کچھ ناصحانہ و عاشقانہ ہیں۔ان رباعیوں کی زبان غزلوں کی زبان کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے اور اس جدید اسلوب سے قریب تر ہے۔ جو آئندہ دور میں ولی کی شاعری میں نظر آتا ہے''۔[۲۰] ان بیان کئے گئے موضوعات کو نصرتی کی رباعیوں میں تلاش کیا جائے تو جمیل جالبی کا مؤقف درست معلوم ہوتا ہے۔ چند مثالیں :

حمدیہ رباعی :

؎ اے اسم ترا سب میں مجے وافی ہے
ہر در د کوں اس دل کے وہی شافی ہے
غیرت ہے میرے جیوں کوں تیرے غیر کی آس
یک تونچ دو عالم میں مجھے کافی ہے

ناصحانہ رباعی :

؎ خوبی نہیں یکتل بھی تری کس ہت میں
ہر در کوں پھرہان نکر عزت میں
آخر وہی انپڑیگا لگا تجھے بے کم و بیش
اول جو لکھیا ہے سو تری قسمت میں

نصرتی کے دیوان میں دو مخمس شامل ہیں ۔پہلی مخمس میں ۸ بند اور دوسری میں ۷ بند ہیں ۔ دوسری مخمس کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی نے دعویٰ کیا ہے کہ'' دوسرا مخمس شاہی کی غزل کی تضمین ہے ۔جس میں ''عشق

کے کھیل'' کوموضوع بنایا ہے''(۲۱) جالبی صاحب کے اس مؤقف کی تصدیق مخمس کے آخری بند سے بھی ہوتی ہے جس میں نصرتی نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس بند کا قافیہ شاہی کی غزل سے لیا ہے اور شاہی کو استاد تسلیم کیا ہے۔

اے نصرتی جب توں منگیا لکھنے مخمس بے بدل
تو قافیہ میں لیا ہندیااستادِ عالم کی غزل
الحق بنایاہے پدک نگ اوس میں جوڑا بیانول
زینت ہے دنیاں کی رہنا نت عارخاں کے جئو کی کل
یعنی پچھانے قد روئی جو صاحب ہوئے سوبات کا

'دیوان نصرتی 'میں تین قطعات اور ایک فارسی غزل شامل ہیں جو پہلی دفعہ شائع ہوئے ان کے علاوہ دیوانِ نصرتی کی ایک فارسی غزل بھی شامل ہے جس کے بارے میں متضاد آراء پائی جاتی ہے کہ آیا یہ غزل نصرتی کی ہے یا نہیں ۔ڈاکٹر جالبی نے حاشیے میں ان شخصیات کا ذکر کیا جن سے یہ غزل منسوب ہے ۔افسر صدیق امروہی ڈاکٹر جالبی کے اس دعوے سے سو فیصد متفق نظر آئے ۔ان کے مطابق:''اس سلسلے میں ظہوری ملک قمی، حیدر ذہنی وغیرہ فارسی گویانِ ایران کی بیجاپور میں موجودگی اور والیانِ بیجاپور فیروزی و یوسف وغیرہ کی فارسی شاعری کے علاوہ خود نصرتی کے کلام سے بھی مدد لی جاتی تو دعوے میں زیادہ جان پڑ جاتی ۔''۲۲

مذکورہ غزل کا مطلع درج ذیل ہے۔

؎ از پنجہء من چاک گریباں گلہ دارد
از گریۂ من گوشہ داماں گلہ دارد

اس غزل کو نصرتی سے منسوب کرنے کے لئے نصرتی کی فارسی دانی کو دلیل بنایا جاسکتا ہے ۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اردو ادب میں نصرتی کے مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کوشش بھی کی ہے ۔ڈاکٹر جمیل جالبی نصرتی کو اردو کے عظیم ترین شعراء میں شامل کرتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ ادب میں نصرتی کو وہ مقام میسر کیوں نہ آیا جو ولی کو حاصل ہوا۔ڈاکٹر جمیل جالبی اس کی وجہ تاریخی واقعات بتاتے ہیں ۔ان کے مطابق:

''مغلوں کی فتح کے بعد شمالی ہند کی زبان دکنی ادب کی روایت پر غالب آ گئی اور تیزی سے سارے برعظیم میں ادبی اظہار کا واحد معیار بن گئی ۔ یہ تہذیبی ولسانی تبدیلیوں کی ستم ظریفی ہے جو تاریخ کے موڑ پر اکثر اس طرح اچانک آتی ہیں کہ بڑے بڑے درخت گر جاتے ہیں اور پھر یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے درخت بڑے نظر آنے لگتے ہیں ۔ تاریخ کی اس ستم ظریفی نے نصرتی کو چھوٹا اور ولی کو بڑا بنا دیا''۔ ۲۳

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''دیوانِ نصرتی'' مرتب کر کے دنیائے ادب کو نصرتی کے کلام سے روشناس کروایا۔ ڈاکٹر جالبی کے مرتب کردہ اس دیوان کو قارئین کی طرف سے خوب سراہا گیا لیکن اس دیوان کی تدوین میں چند ایسی خامیاں رہ گئی ہیں جن کی طرف اگر توجہ دی جاتی تو اس دیوان کی اکملیت میں اضافہ ہو جاتا۔ ڈاکٹر جالبی نے اس دیوان کی تدوین کے لئے جن بیاضوں کی مدد سے کلام اکٹھا کیا ہے ان کے کاتبین کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کیں ۔ رشید حسن خان معترض ہیں :

''۔۔۔جب تک وہ کسی بیاض کے متعلق یہ وضاحت نہیں کریں گے کہ اس کا احوال کیا ہے اس وقت تک اس حوالے کو کس طرح مانا جا سکتا ہے ۔ ان کے ایسے سارے حوالے قطعاً غیر معتبر اور لازماً نا قابل قبول ہوں گے''۔ ۲۴

جبکہ گیان چند جین بیاضوں کو بطور حوالہ استعمال کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں :

''اگر مجہول الاسم مخطوطوں اور بیاضوں کو حرف غلط قرار دے دیا جائے تو آئندہ کے لئے قدیم اردو ادب میں ایک نظم ، ایک شعر ، ایک نثری سطر کا اضافہ ممکن نہ رہے گا''۔ ۲۵

گویا ڈاکٹر جالبی نے جن بیاضوں کو بطور اوّلین مآخذ استعمال کیا ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کیونکہ طباعت کے عام ہونے سے قبل بیاضیں ہی کسی شاعر کے کلام کو محفوظ کرنے کا ذریعہ تھیں ۔ اگر بیاضوں کو بطور حوالہ استعمال کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے گی تو قدیمی ادبی سرمائے کی دریافت اور حفاظت ناممکن ہو جائے گی۔

ڈاکٹر جالبی نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ دلائل کے ذریعے متنازعہ حقائق کی تہہ تک پہنچ کر قارئین تک مستند معلومات پہنچائی جائیں اس سلسلے میں داخلی شواہد کی فراہمی ڈاکٹر جالبی کا سب سے بڑا ہتھیار ہیں اور

اس دیوان میں نصرتیؔ کی سوانح اور ادبی کارناموں کے سلسلے میں بھی انہوں نے اسی سے مدد لی ہے۔ افسر صدیق امروہی نے ''دیوان نصرتی'' کے حوالے سے طباعت اور اشاعت کی چند خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔

''درجنوں الفاظ کے اجزاء ملے ہوئے ہونا چاہئیں تھے، جداجدا ہیں اور جدا ہونے چاہئیں تھے وہ ملادئے گئے ہیں، کچھ دوسری غلطیاں بھی ہیں۔ مثلاً

زرد کنک کا بخور، روم کا دیوے حکیم

شام کی سردی سوں جب چرخ کو ہوتا ہے سن

دوسرے مصرعے میں چرخ کی جگہ چراغ چھپا ہے۔''[۲۶]

''دیوان نصرتی'' سے پہلے ''دیوان حسن شوقی'' منظر عام پر آیا تھا۔ ''دیوان حسن شوقی'' کے حوالے سے مرتب نے تدوین کے حوالے سے تمام امور کی وضاحت ایک تفصیلی مقدمے میں کردی تھی جبکہ ''دیوان نصرتی'' کا مقدمہ اس لحاظ سے نامکمل ہے کہ اس میں نصرتی کے کلام کو مدوّن کرتے ہوئے املاء کی تبدیلیاں کی گئیں یا نہیں اس حوالے سے کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ جالبی صاحب نے بعض جگہوں پر الفاظ کو بھی تبدیل کیا ہے۔ مثلاً کہیں ہائے ہوز (ہ) اور کہیں دوچشمی ہائے (ھ) استعمال ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں مقدمے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ الفاظ کو جوڑ کر لکھنے یا الگ الگ لکھنے کے حوالے سے کسی واضح مؤقف کا اظہار نہیں کیا گیا اور متن میں جگہ جگہ الفاظ کی دونوں صورتیں ملتی ہیں۔ الفاظ کے قدیم املاء اور جدید املاء کے حوالے سے بھی مقدمے میں کوئی وضاحت نہیں۔ متن میں دونوں قسم کے املاء نظر آتے ہیں۔ بہرحال یہ تمام خامیاں ایسی نہیں ہیں کہ جن سے ''دیوان نصرتی'' کی افادیت اور اہمیت کم ہو سکے۔ ''دیوانِ نصرتی'' ڈاکٹر جالبی کی ان کاوشوں کا عملی اظہار ہے جو وہ اردو ادب کی گم شدہ کڑیوں کی دریافت اور روایت کے تسلسل کی دریافت کے حوالے سے انہوں نے کیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ شمس اللہ قادری، اردو قدیم، مطبع لول کشور، لکھنؤ ۱۹۲۹ء، ص ۸۵

۲۔ دیوان نصرتی، مرتبہ: جمیل جالبی، قوسین، لاہور ۱۹۷۲ء ص ۷

۳۔ عبدالحق، مولوی ' نصرتی، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۴۴ء، ص ۱۰

۴۔ شمس اللہ قادری، حکیم، اردوئے قدیم ،مطبع نول کشور،لکھنؤ ۱۹۲۹ء،ص۸۴

۵۔ دیوان نصرتی ،مرتبہ:جمیل جالبی ،ایضاً،ص۴

۶۔ عبدالحق ،مولوی اردوئے قدیم ،ایضاً،ص۱۰

۷۔ دیوان نصرتی ،مرتبہ:جمیل جالبی ،ایضاً ص۴۔۵

۸۔ ایضاً،ص۔۵

۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اردو شہ پارے از پروفیسر محی الدین،ص۶۰

۱۰۔ دیوان نصرتی ،مرتبہ:جمیل جالبی ،ایضاً،ص۵

۱۱۔ ایضاً،ص۱۷

۱۲۔ ایضاً،ص۱۰

۱۳۔ ایضاً،ص۲۲۰

۱۴۔ ایضاً ص۱۱

۱۵۔ ایضاً،ص۱۳

۱۶۔ ایضاً،ص۱۳

۱۷۔ ایضاً،ص۱۴

۱۸۔ افسر صدیق امروہی ،دیوان نصرتی،مشمولہ جمیل جالبی-ایک مطالعہ مرتبہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،ص۲۷۰۔۲۶۹

۱۹۔ ایضاً،ص۲۷۰۔۲۷۱

۲۰۔ دیوان نصرتی ،مرتبہ:جمیل جالبی ،ایضاً،ص۱۴۔۱۵

۲۱۔ ایضاً،ص۱۵

۲۲۔ افسر صدیق امروہی 'دیوان نصرتی'،مشمولہ، جمیل جالبی-ایک مطالعہ ،مرتبہ،ڈاکٹر گوہر

نوشاہی، ایضاً، ص۲۶۹

۲۳۔ دیوان نصرتی ،مرتبہ:جمیل جالبی، ایضاً ص۔۱۵

۲۴۔ رشیدحسن خان: ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ ،الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور ۱۹۸۹ء، ص۳۰۴

۲۵۔ گیان چندجین، تحقیق کافن ،ایضاً،ص۱۴۱

۲۶۔ افسرصدیق امروہی، 'دیوان نصرتی'، مشمولہ، جمیل جالبی۔ایک مطالعہ ،مرتبہ، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ایضاً، ص۲۷۲۔۲۷۱